مولانا محمد سلیمان کیلانی

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

آپ کا اسم گرامی جندب بن جنادہ بن سفیان بن عبید بن حرام بن غفار تھا۔ آپ کی والدہ کا نام رملہ بنت وقعیہ غفار یہ تھا۔ بعض لوگوں نے آپ کا نام بریر بھی لکھا ہے لیکن پہلا نام صحیح ہے، کنیت ابوذرؓ تھی۔

سکونت: میدانِ بدر کے قریب مدینہ منورہ کی راہ میں 'صفرا' نامی ایک بستی تھی، یہی آپ کا مسکن تھا۔ آپ کے قبیلہ کی رہائش دو پہاڑوں کے درمیان تھی جن میں سے ایک پہاڑی کا نام مسلح تھا اور دوسری کا نام مخذیٰ۔۔۔ آنحضرت ﷺ جب بدر کی طرف آ رہے تھے، ان پہاڑوں کے قریب پہنچے تو ان کا نام پوچھا۔ لوگوں نے ان کے نام بتائے تو آپ کو ان کے نام پسند نہ آئے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: یہاں کون سے قبیلے آباد ہیں تو آپ کو بتایا گیا کہ یہاں دو قبیلے آباد ہیں، ایک کا نام نار (آگ) ہے اور دوسرے کا نام بنی حراق (جلنا) ہے۔ پھر آپ نے دریافت فرمایا: یہ کس قبیلے کی شاخیں ہیں تو آپ کو بتایا گیا کہ یہ بنوغفار کے قبیلے ہیں۔ پھر آپ نے اس راستے سے گزرنا مناسب نہ سمجھا اور 'صفرا' بستی کی دائیں جانب سے ہو کر گزر گئے۔

پیشہ: آپ کے خاندان کا پیشہ تو ڈاکہ زنی تھا لیکن آپ ابتدا ہی سے اس پیشہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے اور محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتے۔ آپ ایامِ جاہلیت میں بھی عبادت گزار تھے۔ چونکہ آپ کا قبیلہ اس شاہراہ پر آباد تھا جو یمن سے لے کر شام تک چلی گئی تھی اور اسی شاہراہ پر عرب کے تمام تجارتی قافلے آیا جایا کرتے تھے۔ لہٰذا جب آنحضرت ﷺ نے مکہ میں اپنی نبوت کا اعلان کیا تو بہت جلد آپ کی خبر آنے جانے والوں کے ذریعے بنوغفار میں پہنچ گئی۔

حلیہ: آپ کا قد لمبا، نحیف و کمزور تھے۔ رنگ گندم گوں اور نقش تیکھے تھے۔ حضرت ابوذرؓ کا بھائی انیس مکہ مکرمہ آ رہا تھا۔ عمرو بن عبسہ آپ کے اخیافی بھائی ہیں۔ آپ نے انیس سے کہا: سنا ہے، ایک آدمی نے مکہ میں اپنی نبوت کا اعلان کیا ہے، ذرا اس سے ملاقات کر کے پورے حالات کا پتہ کرتے آنا۔ جب آپ کا بھائی مکہ مکرمہ سے واپس پہنچا تو آپ نے دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ قریش میں سے محمد (ﷺ) نامی ایک شخص اپنے آپ کو خدا کا رسول کہتا ہے۔ میں نے جب اس سے ملاقات کی تو اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو، اس کا کوئی شریک نہیں، بتوں کی عبادت چھوڑ دو، کسی کو تکلیف نہ دو، برے کام نہ کرو اور خدا کی عبادت کرو اور خلقِ خدا کی خدمت کرو۔ آپ نے فرمایا: کچھ اس سے آگے بھی تو بتاؤ تو اس نے کہا: میں اس سے آگے کچھ نہیں جانتا۔ تو آپ نے فرمایا: تو نے میرے دل کو مطمئن نہیں کیا، میں خود مکہ مکرمہ جا کر حالات دریافت کروں گا۔ چنانچہ کچھ زادِراہ لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ کے خلاف پورے قریش میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ چلی ہے۔ حالات اتنے نازک تھے کہ آپ کے متعلق کسی سے کچھ پوچھنا اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالنے کے مترادف تھا۔ چنانچہ آپ نے کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا اور خانہ کعبہ میں آ کر بیٹھ رہے کہ شائد کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ خود بخود آنحضرت ﷺ سے ملاقات ہو جائے اور کسی مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ سارا دن گزر گیا لیکن مقصود کو نہ پہنچ سکے۔

چونکہ بنوہاشم خانہ کعبہ کے متولی تھے اور اس وقت محمد ﷺ کے چچا ابوطالب اس منصب پر فائز تھے لہٰذا رات کو خانہ کعبہ کا دروازہ بند کرنے کے لئے حضرت علیؓ سب سے پیچھے رہ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک مسافر بیٹھا ہے۔ اس سے پوچھا: تم مسافر ہو؟ ابوذرؓ نے کہا: ہاں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: میرے ساتھ چلو۔ چنانچہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ چلے گئے۔ رات کو کھانا اور ٹھکانا دونوں مل گئے۔ صبح پھر خانہ کعبہ میں آ گئے۔ پھر سارا دن گزر گیا لیکن گوہرِ مراد ہاتھ نہ آیا۔ دوسری رات پھر حضرت علیؓ نے دیکھا کہ وہی مسافر آج بھی بیٹھا ہے۔ پوچھا کیا مسافر کو اپنی منزل نہ ملی۔؟ کہنے لگے: نہیں۔ وہ پھران کو اپنے ساتھ لے گئے اور حسب سابق مہمان کا حق ادا کیا لیکن دونوں راتیں بالکل خاموشی سے گزریں۔ نہ تو حضرت علیؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو اور کس کام کے لئے آئے ہو اور نہ ہی حضرت ابوذرؓ نے ان سے کچھ کہا۔ تیسرے روز پھر خانہ کعبہ میں چلے آئے اور پھر سارا دن گزر گیا۔ تیسری رات حضرت علیؓ نے دیکھا کہ وہی مسافر بیٹھا ہے، کہنے لگے: کیا ابھی بھی منزل کا نشان نہیں ملا؟ کہنے لگے: نہیں۔ تو آپ نے فرمایا: آؤ پھر میرے ساتھ چلو، چنانچہ وہ آپ کے پیچھے ہو لئے۔ راستہ میں حضرت علیؓ نے پوچھا: آپ کس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں؟ تو حضرت ابوذرؓ نے کہا: اگر راز داری کا وعدہ کریں تو عرض کروں۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ وعدہ ہی سمجھو۔ حضرت ابوذرؓ نے کہا: ''میں نے سنا ہے کہ ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، ان کا پتہ کرنے آیا ہوں، اگر آپ کچھ جانتے ہوں تو میری رہنمائی کریں۔'' حضرت علیؓ نے کہا: میں ان کو بڑی اچھی طرح جانتا ہوں، آپ میرے ساتھ آ جائیں، میں آپ کو ان کی خدمت میں پہنچا دوں گا۔

راستہ کی احتیاط: حضرت علیؓ نے کہا: نبی اکرم ﷺ اور ان کے متبعین آج بہت بڑی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ قریش کی دشمنی حد سے زیادہ بڑھ چکی ہے، تم نے بہت اچھا کیا جو کسی سے آنحضرت کے متعلق نہ پوچھا ورنہ لوگ تمہیں بھی پیٹ دیتے۔ اب بھی ذرا احتیاط سے آنا۔ تم میرے پیچھے اتنے فاصلے پر آؤ کہ اگر کوئی راستہ میں مل جائے تو اسے یہ گمان نہ ہو کہ تم میرے پیچھے آ رہے ہو۔ اگر راستہ صاف ہو تو خیر، وگرنہ خدا نخواستہ کوئی راستہ میں مل گیا تو میں اس طرح جوتا اتار کر صاف کرنے لگوں گا جیسے کوئی کنکر وغیرہ جوتے میں آ گیا ہو اور اتنے میں تم سیدھے نکل جانا، میرے پاس نہ ٹھہرنا۔''

بارگاہِ نبوت میں حاضری: بالآخر اسی احتیاط سے چلتے ہوئے آپ بارگاہِ نبوت میں پہنچ گئے۔ چہرۂ انور دیکھتے ہی فوراً بول اٹھے: هذا الوجه ليس بكذاب (یہ مبارک چہرہ کسی جھوٹے آدمی کا نہیں ہو سکتا) پھر گفتگو شروع ہوئی۔ آنحضرت ﷺ نے اسلام کی دعوت پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ: ''اللہ تعالیٰ کو وحدہ لاشریک سمجھو، وہ اپنی ذات وصفات میں یکتا ہے اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، اچھے کام کرو، نیکی پھیلاؤ، برائی سے بچو اور برائی سے لوگوں کو روکو۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو تھوڑا سا قرآن سنایا۔ اس کے بعد انہوں نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔۔۔ آپ پانچویں مسلمان تھے۔

آنحضرت ﷺ کی نصیحت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوذرؓ! اس وقت اسلام بڑے سخت دور سے گزر رہا ہے۔ مسلمانوں کو اذیت ناک تکلیفیں دی جا رہی ہیں۔ ہماری تعداد اس وقت بہت تھوڑی ہے۔ ہماری حمایت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کفار بدکردار کے دل میں جو آتا ہے، کر گزرتے ہیں اور جتنا کسی کو چاہتے ہیں، مارتے پیٹتے ہیں۔ لہٰذا تم اپنے ایمان کو ظاہر نہ کرو۔ اور چپ چاپ اپنے قبیلے میں چلے جاؤ۔ وہاں جا کر اسلام کی تلقین کرو جو قرآن تم نے مجھ سے سیکھا ہے، یہ لوگوں کو سکھاؤ۔ جب اسلام کا بول بالا ہو جائے، مسلمانوں کی تعداد بڑھ جائے، اس وقت میرے پاس چلے آنا۔''

ایمان کی حرارت: آپ نے آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو سنا اور عرض کیا: حضور میں یہاں سے چلا جاؤں گا، اپنے قبیلہ میں رہوں گا، اسلام کی تلقین کروں گا اور جب اسلام کا غلبہ ہوگا اس وقت حاضرِ خدمت ہوں گا لیکن آپ اپنے حکم میں تھوڑی سی تبدیلی کر لیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ

میں جا کر ایک دفعہ بلند آواز سے لوگوں کو قرآن سناؤں، اس کی اجازت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: مار کھاؤ گے، خاموش رہو۔ کہنے لگے: آج واقعی مار کھانے کو دل بے قرار ہے۔۔۔ چنانچہ آپ نے اجازت دے دی۔

قریش کے مجمع میں قرآن کی آواز بلند ہوئی! حضرت ابوذرؓ کاشانۂ نبوت سے نکل کر سیدھے خانہ کعبہ پہنچے۔ قریشی سردار اور نوجوان سبھی دارالندوہ میں بیٹھے تھے کہ یک لخت قرآن کی آواز ان کے کانوں میں پڑی۔ سانپ کی طرح بل کھا گئے اور خانہ کعبہ میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک نوجوان قرآن پڑھ رہا تھا، اس پر ٹوٹ پڑے۔ مار پیٹ کے نتیجہ میں لباس تار تار ہوا اور چہرہ گلنار۔ جسم کا بند بند درد سے چیخ اٹھا لیکن اس بندۂ مومن کی زبان اور لب قرآن کی تلاوت میں مصروف رہے۔ کہیں سے حضرت عباس بن عبدالمطلب آ پہنچے تو ان کو دیکھ کر پہچان لیا اور کہا کہ یہ تو بنوغفار کا آدمی ہے۔ یہ تمہارا تجارتی راستہ بند کر دیں گے اور بھوکے مر جاؤ گے۔ بہر حال انہوں نے چھڑا دیا۔ بارگاہِ نبوت میں پہنچے، لباس اور جسم خون آلود اور دل ایمانی قوت سے بھرا ہوا تھا۔ لباس تار تار اور جسم داغدار تھا۔ آنحضرت ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: میں نے نہ کہا تھا کہ خاموشی سے نکل جاؤ۔ اب پتھر گرم کر کے جسم پر ٹکور کر دو۔ عرض کیا۔

ہر بن موزخم شدہ پنبہ کجا کجا نہم!

اور ساتھ ہی عرض کیا: یا حضرت ﷺ! ابھی دل کے ارمان پوری طرح نہیں نکلے، کل کے لئے پھر اجازت مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ ان کا شوق دیکھ کر رسالتِ مآب ﷺ نے پھر اجازت دے دی۔

دوسرا دن: کل کی نسبت آج کچھ ایمان سوا تھا۔ اسلام کی اس خار دار وادی میں قدم بے دھڑک اٹھنے لگے۔ دل کا سوز اور زبان کا جوش دونوں اپنی جوانی پر تھے۔ کل کی مار خدا ہی جانے اس اسلام کے دیوانے کو کتنے مراحل طے کرا گئی تھی۔ آج سیدھے دارالندوہ ہی پہنچے۔ جہاں قریشی سرداروں اور نوجوانوں کا جمگھٹا رہتا تھا۔ جسم پر وہی کل والا خون آلود اور تار تار لباس تھا۔ جگہ جگہ جسم پر نئے نئے زخم لگے ہوئے تھے لیکن چال میں ایک وقار تھا اور گلے میں سوز۔۔۔ قرآن کے الفاظ، لہجہ عربی اور دل ایمان سے معمور، فضا میں قرآن کی آواز بلند ہوئی اور وہ آواز جو مؤمنوں کے کانوں میں رس گھولتی تھی، کفار اشرار کے کانوں میں زہر گھول گئی۔ بے اختیار اٹھ کھڑے ہوئے اور فضاء میں دو آوازیں برابر سنائی دیتی رہیں۔ ایک قرآن کی آواز اور دوسری مار پیٹ اور گالی گلوچ کی آواز۔ آج جسم پہلے کی نسبت خوب لہولہان ہوا تھا۔ دل کی حسرتیں پوری ہو گئیں۔ شاداں و فرحاں قرآن پڑھتے گئے۔ آج پھر حضرت عباسؓ کو پتا چلا تو آپ دارالندوہ میں آئے۔ ان کو چھڑایا اور قریش کو کہا: خدا تمہارا برا کرے، اگر تمہاری تجارت بند ہو گئی تو کتنے دن جیو گے۔ اپنی شاہ رگ پر چھری نہ رکھا کرو۔ جب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارا جسم لہولہان تھا۔ آج دل مطمئن تھا، طبیعت سیر ہو چکی تھی اور اس بار کے دوران خدا ہی بہتر جانے، آپ کو کتنے راز منکشف ہوئے۔

کفر اور ایمان کا مزاج: ذرا غور کرو کفر کتنا ڈرپوک اور بزدل ہے اور ایمان کتنا جری اور دلیر۔ یہ ایک ہی شخص کی زندگی کے دو نمونے ہیں۔ صرف ایک دن پہلے طبیعت پر کفار کا اتنا خوف مسلط ہے کہ کسی سے ڈر کے مارے رسول اللہ ﷺ کے متعلق پوچھتے تک نہیں۔ مبادا کوئی تکلیف نہ پہنچے اور دوسرے دن جب مسلمان ہو گئے تو اتنی جرأت پیدا ہو گئی کہ طبیعت بے اختیار ہونے لگی اور اس کا انجام؟۔۔۔ اس سے بالکل بے پرواہ ہو گئی۔

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی

واپسی: رسول اللہ ﷺ کی صحبت میں چند روز رہنے کے بعد اپنے قبیلہ میں واپس آ گئے اور جو حکم رسول اللہ ﷺ نے دیا تھا، اس کی تعمیل میں دن رات کوشاں رہے۔ تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ ان کے قبیلے کے کئی آدمی مسلمان ہو کر بارگاہِ نبوت میں پہنچتے رہے اور اس ایمانی شان سے پہنچتے کہ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بے اختیار دعا نکل جاتی: **بنو غفار غفر اللہ لھا** (بنو غفار کو اللہ معاف کرے) لیکن وہ سراپا عشق و سرمستی خود پورے سترہ سال مہجوری کی بھٹی میں پڑے رہے اور خالص کندن بن کر دمکے اور جگمگائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا: جب اسلام کا بول بالا ہو جائے، اس وقت میرے پاس آنا۔ پھر ابوذرؓ خندق کے بعد حاضرِ خدمت ہوئے۔

ابوذرؓ کون تھے؟: رسول اللہ ﷺ نے آج سے تیرہ سال پہلے ان کے دل میں ایمان کا بیج بویا تھا، آج وہ ایک تناور درخت بن چکا تھا، اس کے پھل پک کر تیار ہو چکے تھے۔۔۔ابوذرؓ کون تھے؟ اس پوری دنیا میں ایک غریب الدیار، ایک مسافر جس کی نگاہوں میں دنیا کی بے ثباتی اور دل میں دنیا سے بے رغبتی کا ایک لازوال تصور تھا۔ وہ ابوذرؓ جس کے خاندان کا پیشہ ڈاکہ زنی تھا، وہ آج دنیائے انسانیت کا تاجدار تھا۔ غریبوں، تنگدستوں محتاجوں، یتیموں، اور بیواؤں کی دستگیری کرنے والا، جو ہاتھ میں آئے غریبوں پر خرچ کر دینے والا اور دوسروں کے پاس جائز ذرائع سے پیدا شدہ حلال کی دولت بھی دیکھ کر ان سے الجھ جانے والا، کہ اس دولت کو اپنے پاس رکھتے ہی کیوں ہو۔ اس ساری دولت کو غریبوں پر خرچ کر دو۔ تاکہ دنیا میں کوئی آدمی غریب نہ رہے۔

سارے جہاں کا درد ہمارے ہی دل میں ہے!

سورج کی کرنیں: صحابہ کرام کی ایک ہی جماعت میں آپ مختلف رنگ دیکھیں گے۔ کوئی نرم مزاج، کوئی سخت گیر، کوئی امیر، کوئی غریب، کوئی بڑا کوئی چھوٹا لیکن جس کو بھی جس رنگ میں دیکھو گے، بے مثال پاؤ گے۔ خالدؓ بن ولید کی سپہ سالاری بھی دیکھنے کی چیز ہے۔ اور معزولی کے وقت **سمعاً و طاعۃ للامیر** (ہم نے امیر کا حکم سنا اور سر خم کر دیا) کہنا بھی مثالی ہے۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی دولت مندی بھی مثالی ہے لیکن مزاج کا فقر بھی اپنی مثال آپ ہے۔ جن کو مصعب بن عمیرؓ اور حمزہؓ بن عبدالمطلب کی غریبی اور ناداری قابل رشک معلوم ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ کی زبان سے سخت کلمہ نکل جانا اور پھر اس کی معافی مانگنا بھی یاد ہے۔ اور ابوبکرؓ کا باوجود مطالبے کے انتقام نہ لینا بھی تاریخ میں ہیرے کی طرح جگمگاتا رہے گا۔ بہر حال صحابہ رضی اللہ عنہم کی یہ ساری کیفیتیں رسول اللہ ﷺ کی تربیت ہی کا نتیجہ تھیں۔ کوئی کسی رنگ میں رنگا گیا اور کوئی کسی میں......ابوذرؓ پر یہ رنگ چڑھا تھا۔

ایک پہلو یہ بھی ہے اسلام کی تصویر کا

ابوذرؓ کا مقام: حضرت ابوذرؓ جتنی دیر بعد آئے، اتنے ہی درست آئے۔ سارا گھر خدام نبوت میں شامل ہو گیا۔ خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لگ گئے۔ بیوی امہات المومنینؓ کی خدمت میں پہنچ گئیں۔ صدقہ کے اونٹ کچھ جمع ہو چکے تھے۔ رسالت مآب ﷺ نے پوچھا: صدقہ کے اونٹ کون چرائے گا؟ حضرت ابوذرؓ اٹھ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نگاہ بھر کر دیکھا۔ مطلب یہ تھا کہ سترہ سال کی طویل جدائی کے بعد ملے ہو تو اب پھر جدا ہونے کو دل چاہ رہا ہے۔ عرض کیا: حضرت میرا بیٹا اونٹ چرائے گا۔ اگر کاشانہ نبوت کی گلہ بانی نصیب ہو جائے تو تاج خسرو سے سوا ہے۔ بہر حال ان کے بیٹے ذر بمعہ اپنی بیوی لیلیٰ کے اونٹ لے کر چراگاہ میں آ گئے۔ یہ چراگاہ مدینہ منورہ کی مشہور چراگاہ غابہ تھی جو کہ مدینہ منورہ سے شمال کی طرف تین چار میل کے فاصلہ پر تھی۔ انہی اونٹوں میں خود رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اونٹ بھی

شامل تھے۔ بلکہ آپ ﷺ کی مشہور زمانہ اونٹنی قصواء بھی انہی میں تھی۔

عینیہ بن حسن بن حذیفہ بن بدر کو پتہ چلا کہ مدینہ کی چراگاہ میں مسلمانوں کے بہت سے اونٹ چرتے ہیں اور رکھوالہ صرف ایک آدمی ہے۔ وہ بنوغطفان کی ایک جماعت لے کر چراگاہ پر حملہ آور ہوا۔ چرواہے (ذرؓ) کو قتل کر دیا، اس کی بیوی لیلیٰ کو اٹھا لیا اور اونٹ ہانک کر لے گیا۔ چراگاہ سے نکلتے ہی سلمہؓ بن اکوع نے اسے دیکھ لیا کہ چرواہے کو قتل کر کے اونٹ لے جا رہا ہے۔ سلمہ بڑے بلند آواز تھے۔ ایک پہاڑی پر چڑھ کر بلند آواز سے مدینہ کی طرف منہ کر کے پکارا کہ جلدی آ جاؤ غطفانی حملہ کر کے اونٹ لے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی آواز مدینہ کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر گونجنے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر لے کر تعاقب کیا۔ اونٹ چھڑا لئے اور غطفانیوں کا مال غنیمت لے آئے، لیلیٰ بھی واپس آ گئیں۔

مدینے پہنچ کر لیلیٰ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں قید کے دوران آپ کی اونٹنی قصویٰ پر سوار رہی ہوں، میں نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس اونٹنی پر نجات دی تو میں اس کو خدا کی راہ میں ذبح کروں گی، اب کیا حکم ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اس کو بہت برا بدلہ دیا وہ تو تجھے بچائے اور تو اس کو ذبح کرے اور پھر یہ بھی تو دیکھو کہ یہ میری اونٹنی ہے تمہاری نہیں، اور آدمی جس چیز کا مالک نہ ہو، اس کی نذر ماننا کوئی حقیقت نہیں رکھتا...!!

ملازمت نبوی: جنگ خندق کے بعد حضرت ابوذرؓ تمام جنگوں میں ہمرکاب رہے دن رات آپ کی صحبت میں رہتے پھر ایک روز ایک فیصلہ کن جنگ کی تیاری ہونے لگی اور یہ جنگ تھی غزوہ تبوک جو کہ ۹ ہجری میں پیش آئی اس جنگ کا پس منظر یہ تھا کہ ہرقل نے مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ سن لیا اور خوف زدہ ہو کر جنگ کی تیاری کرنے لگا کہ کہیں ہم پر مسلمان حملہ نہ کر دیں۔ ادھر آنحضرت ﷺ کو جب شاہِ روم کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے بجائے اس کے کہ اس حملے کا انتظار کرتے اس کے ملک میں اس کی مدافعت کرنا زیادہ مناسب سمجھا اب صورت حال یہ تھی کہ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے زیادہ تھی، اور وہ بھی تربیت یافتہ فوج، سفر نہایت دور دراز کا تھا موسم انتہائی گرم تھا باغوں کے پھل پکے ہوئے تھے، اور پچھلا ذخیرہ خوراک ختم ہو چکا تھا اور سفر پر جانے سے آئندہ کا پھل ضائع ہو جانا یقینی تھا یہی وجہ تھی کہ اس لڑائی کا نام **جیش العسرۃ** (تنگدستی کا لشکر) پڑ گیا۔

ایسے موقعؐ پر مومن مخلص ہی آنحضرت کے ہمرکاب نکل سکتے تھے۔ منافقوں سے اس کی کوئی توقع نہ تھی۔ منافقوں کی اکثریت تو مختلف بہانے بنا کر مدینہ منورہ سے نکل ہی نہ سکی، اور کچھ منافق ساتھ نکلے تاکہ یہ پتہ نہ چل جائے کہ سارے منافق پیچھے ہی رہ گئے ہیں، لیکن راستہ سے واپس ہونے لگے، کوئی ایک منزل سے کوئی دوسری منزل سے لیکن مخلص مسلمانوں میں کوئی آدمی بھی پیچھے نہ رہا، ماسوائے ان تین آدمیوں کے جن کو اللہ تعالیٰ کی مشیت نے ہی پیچھے رکھ لیا تھا۔ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تیس ہزار تھی، سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ کو روزانہ شام کو رپورٹ مل جاتی کہ اس منزل پر فلاں فلاں آدمی پیچھے رہ گیا ہے۔ تو آپ ﷺ فرماتے چھوڑ دو اس کو اگر اس میں کوئی بھلائی ہے تو وہ تم سے آ ملے گا اور اگر منافق ہے تو اللہ تعالیٰ نے تم کو اس سے نجات بخشی۔

ابوذرؓ بھی پیچھے رہ گئے: پھر ایک دن یہ رپورٹ پیش ہوئی کہ ابوذرؓ بھی پیچھے رہ گیا ہے (جس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا اونٹ کمزور اور لاغر تھا وہ تھک گیا تو آپ نے کچھ دیر ستانے کے لئے چھوڑ دیا، لیکن دوسرے دن تک سفر کے قابل نہ ہوا تو اسے جنگل ہی میں

چھوڑ دیا اور پالان اور سامان سر پر اٹھایا اور پیدل سفر کرتے ہوئے لشکر سے آ ملے) چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے وہ بات کہی جو پہلے کہتے تھے کہ پھر ایک منزل پر آپ نے پڑاؤ کیا۔ تو کسی نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کچھ گرد اڑتی نظر آ رہی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی آدمی آ رہا ہے۔ آپ نے دعا فرمائی (یا اللہ ابوذرؓ ہو) جب لوگوں نے غور سے دیکھا تو کہنے لگے، اللہ کی قسم! وہ ابوذرؓ ہی ہیں تو زبان رسالت سے یہ الفاظ صادر ہوئے ''اللہ ابوذرؓ پر رحم کرے یہ خدا کی راہ میں اکیلا سفر کرتا ہے اور اکیلا ہی مرے گا اور قیامت کو اکیلا ہی اٹھے گا'' پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ اس پیشن گوئی کا ایک ایک لفظ پورا ہوا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد: رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد ان کی طبیعت کچھ ایسی مجروح ہوئی کہ مدینے کی گلیاں اور بازار کاٹ کھانے کو دوڑتے۔ نبی کریم ﷺ سے تعلق رکھنے والی کوئی چیز دیکھتے تو بے اختیار ہو کر روتے، اور اتنا روتے کے بے حال ہو جاتے آخر آپ کی بیوی ام ذرؓ اور دوسرے لوگوں نے بھی مشورہ دیا کہ آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جائیں۔ چنانچہ آپ شام کے علاقے میں چلے گئے۔

آپؓ کا مسلک اور اس میں پختگی: قرآن مجید میں ہے کہ (یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو) آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں؟ آپ کہیں: تمہاری ضروریات سے جو زائد ہو وہ فی سبیل اللہ خرچ کر دو) اسلام کے ابتدائی عہد میں چونکہ غربت زیادہ تھی اس لئے حکم دیا گیا تھا کہ ضروری اخراجات کے بعد باقی جو بچے وہ غریبوں کو دے دیا کرو۔ لیکن بعد میں جب فراخی و رفاہیت کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ فرض کر دی۔ باقی انتالیس حصے صاحب مال کو اللہ تعالیٰ نے دے دیئے۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ مال میں سے زکوٰۃ ادا کرتے اور باقی مال اپنے تصرف میں لاتے۔ لیکن ابوذر اپنے اسی پرانے مسلک پر سختی سے کاربند رہے اور جب دوسروں کو مسئلہ بتاتے تو بھی یہی کہتے کہ ضرورت سے بچ رہے وہ خدا کی راہ میں دے دو۔ اس بارے میں وہ اپنے سے بڑے صحابہؓ کی مخالفت کی بھی پرواہ نہ کرتے، نہ ہی فتویٰ اور تقویٰ کا فرق ملحوظ رکھتے۔ حالانکہ فتویٰ اور چیز ہے اور تقویٰ اور چیز ہے۔ حضرت ابوذرؓ غفاری اجلہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔ بڑے عابد زاہد اور شب زندہ دار تھے پوری امت کے علاوہ صحابہ کرامؓ بھی ان کا احترام ملحوظ رکھتے اور ان کے مسلک کو لازمی نہ سمجھتے ہوئے بھی ان سے الجھنا پسند نہ کرتے۔

شام سے واپسی: شام سے واپس آنے کی وجہ یہ ہوئی کہ حضرت ابوذر غفاریؓ امیر معاویہؓ کے پاس گئے۔ امیر معاویہؓ ان دنوں حضرت عثمانؓ کی طرف سے شام کے گورنر تھے۔ آپ کے پاس حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی تشریف فرما تھے ان دنوں حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ کی وفات ہوئی تھی اور انہوں نے جتنی دولت اپنے ترکہ میں چھوڑی تھی اس کا ہر جگہ چرچہ تھا حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی موجودگی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی دولت کے متعلق سوال کیا۔ اور کہا کہ ''بتاؤ، تمہارے خیال میں جو عبدالرحمٰن نے اتنی دولت اکٹھی کر رکھی تھی یہ صحیح ہے یا غلط، جائز تھی یا ناجائز؟'' حضرت ابوموسیٰ نے کہا کہ اگر حضرت عبدالرحمٰن اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کر رہے ہوں تو پھر آخر ہرج کیا ہے ٹھیک ہے۔ یہ جواب چونکہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے مسلک کے خلاف تھا لہٰذا آپ اپنا عصاء اٹھا کر ان کو مارنے کے لئے دوڑے۔ امیر معاویہؓ نے بیچ بچاؤ کر کے ان کو بچا لیا، اور

پھر حضرت ابوذر غفاریؓ سے کہا کہ جو کچھ آپ نے کیا ہے۔ وہ صحیح نہیں تھا۔ اور جو آپ نے ایک نظریہ قائم کر لیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے اس معاملے میں آپ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اتفاق کریں اور پھر یہ سوچیں: اگر ساری دولت ہی دینا درست ہو تو زکوٰۃ اور زکوٰۃ کے تمام مسائل تو محض بے فائدہ ہو گئے۔ اس مسئلہ میں چونکہ امیر معاویہؓ سے اختلاف ہو گیا اور پھر یہ اختلاف بڑھتا گیا، بالآخر حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ جب تک تم شام میں ہو، خدا کی قسم میں شام میں نہیں رہوں گا۔ امیر معاویہؓ نے ساری کیفیت حضرت عثمانؓ کو لکھ کر بھیج دی۔ آپ نے ہدایت بھیجی کہ ابوذرؓ سے بالکل نہ الجھو۔ وہ ایک متقی بزرگ ہیں، ان کے احترام کو ملحوظ رکھو۔ لیکن چونکہ وہ قسم اٹھا چکے ہیں کہ جب تک تم یہاں ہو میں شام میں نہیں رہوں گا، لہٰذا ان کو میرے پاس مدینہ منورہ بھیج دو۔

حضرت عثمانؓ کا خط سن کر حضرت ابوذرؓ مدینہ واپس آ گئے۔ لیکن طبیعت میں وہی سادگی رہی۔ مدینہ منورہ میں بھی اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگے۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے، ہم آپ کا بے حد احترام کرتے ہیں اور آپ کو اپنے لئے ایک مسلک منتخب کر لینے پر بھی حق بجانب سمجھتے ہیں لیکن جہاں تک اس مسئلہ کا عوام سے تعلق ہے، آپ کا دوسروں کو مجبور کرنا صحیح نہیں ہے اور نہ ہی آپ کو اس رائے کی تبلیغ کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

امیر المؤمنین کا نظریہ سمجھ کر حضرا ابوذرؓ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے مدینہ سے باہر کسی جگہ سکونت کرنے کی اجازت دے دیں جہاں عوام مجھ سے نہ مل سکیں اور نہ میں ان کو تبلیغ کر سکوں۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے ان سے کہا کہ آپ 'ربذہ' چلے جائیں۔ ربذہ مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلے پر ایک جگہ تھی جہاں بالکل معمولی سی آبادی تھی لیکن اس زمانہ میں وہ بالکل بے آباد ہو چکی تھی۔

۳۱ یا ۳۲ ہجری میں حضرت ابوذرؓ مقام ربذہ میں بیمار پڑ گئے اور بیماری زیادہ بڑھ گئی تو پاس چونکہ ایک غلام اور ایک بیوی تھی۔ ان کو فکر دامن گیر ہوئی کہ اگر خدانخواستہ ان کی وفات ہو گئی تو ان کے کفن دفن کا بندوبست کیسے ہو گا۔ چنانچہ آپ نے اس بات کو بھانپ لیا، کہنے لگے: جب میری موت ہو جائے تو میرے جنازہ کو رستے پر رکھ دینا مسلمانوں کا ایک قافلہ آئے گا، انہیں کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ابوذرؓ کا یہ جنازہ پڑا ہے، اسے دفن کرتے جاؤ۔

چنانچہ آپ کی وفات ہو گئی۔ بیوی اور غلام نے مل کر غسل دیا اور کفن دے کر جنازہ راستے پر لا رکھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ عراقیوں کی جماعت کے ہمراہ عمرہ کرنے کے لئے تشریف لا رہے تھے تو انہوں نے ایک عورت کو راہ پر کھڑے دیکھا تو پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا: ام ذر۔ آپ نے پوچھا: ابوذرؓ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ ان کا جنازہ پڑا ہے، اسے دفن کرتے جاؤ۔ عبداللہ بن مسعودؓ دھاڑیں مار مار کر روئے اور جنازہ پڑھ کر ان کو دفن کیا اور پھر اپنے ساتھیوں کو رسول اللہ ﷺ کی وہ پیشگوئی بتائی کہ ابوذرؓ تو خدا کی راہ میں اکیلا سفر کرتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔ رضی اللہ عنہ ورضاہ

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مصادر: یہ مضمون بخاری شریف، سیرت ابن ہشام، تقریب، اکمال، تہذیب اور اخبار سے اخذ کیا گیا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ محدث لاہور)